© rasailojaraid.com

تحریر: تھامس - ایف - مچل

ترجمہ: سجاول خان

بلغاریہ کے مسلمان

1989ء کے دوران میں مشرقی یورپ نے آزادی کی مختلف تحریکوں اور پُرتشدد سماجی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا۔ ان میں سے جس تبدیلی کو بہت کم توجہ اور تشہیر حاصل ہوئی وہ بلغاریہ کی ترک مسلم اقلیت کی حالت زار تھی۔ مئی اور ستمبر 1989ء کے درمیانی عرصے میں تین لاکھ سے زائد ترک مسلمانوں کو بلغاریہ سے نکلنا پڑا۔ اُن کا یہ ترک وطن، جو جزوی طور پر رضاکارانہ تھا، بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں مناسب جگہ حاصل نہ کرسکا کیوں کہ ان ہی دنوں بالٹک ریاستوں، پولینڈ، مشرقی جرمنی، چیکوسلاویکیہ، رومانیہ اور سوویٹ یونین میں رونما ہونے والے ڈرامائی واقعات (اور آخر میں قفقاز کے المناک تنازعات) خبروں کا موضوع بنے ہوئے تھے۔ تاہم انسانی دکھ اور مصیبت کے حوالے سے بلغاروی ترک مسلمانوں کی ہجرت یا بلغاریہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کے شہری حقوق، ان بڑے بڑے اور تاحال حل طلب مسائل میں شامل ہیں جو نئے مشرقی یورپ کو 1990ء کے عشرے میں درپیش رہیں گے۔

یہ نسل اور مذہب سے متعلق ایک دوہرا موضوع ہے، جو باہم مربوط ہے اور الگ بھی۔ بلغاریہ کی 90 لاکھ کی کل آبادی میں مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ دس اور پندرہ لاکھ کے درمیان ہے۔(1) ان میں سے کم ازکم دوتہائی نسلاً ترک ہیں۔ بلغاروی زبان بولنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی جنہیں پومک کہا جاتا ہے، اچھی خاصی ہے۔ اسی طرح ایک سے ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں خانہ بدوش ہیں۔ ان پر مستزاد تاتاریوں کی مختصر سی کمیونٹی ہے۔ موخرالذکر کے آباء واجداد کا تعلق تاریخی اعتبار سے آج کے سوویت یونین کے علاقے وولگا سے ہے۔

بلغاریہ میں مسلم آبادی کے آثار چودھویں صدی میں اس وقت سے ملتے ہیں جب متحارب کانتا قوزنس (Cantacuzenus) اور پالیولوگس (paleologus) خانوادوں نے بازنطینی تخت کے حصول کی کشمکش میں کرائے کے ترک فوجیوں کی خدمات حاصل کیں اور انہیں درۂ دانیال کے یورپی کنارے پر فوجی اڈہ قائم کرنے کی اجازت دی۔(2) اس اڈے سے ترکوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی سلطنت کو وادیٔ ڈینیوب تک پھیلادیا۔ حتیٰ کہ عثمانیوں نے 1385ء میں صوفیہ کو فتح کر کے بلغاریہ پر اپنے دورِ اقتدار کا آغاز کیا، جو ترکی اور روس کے درمیان 1878ء کی جنگ تک جاری رہا۔(3)

سرحدی علاقوں میں اناطولی ترکوں کی جبری آبادکاری کی جو پالیسی عثمانی سلاطین نے یکے بعد دیگرے جاری رکھی، اس کے نتیجے میں چودھویں صدی کے آخر میں ڈینیوب کے بلغاروی علاقے میں ترک قبائلی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ عثمانی اقتدار کے استحکام کے ساتھ فوجی اور انتظامی ملازمتوں کی تلاش میں مزید ترک آبادکار یہاں آئے۔ ان پر مستزاد وہ لوگ تھے جو یہاں اسلامی مذہبی ادارے قائم کرنا چاہتے تھے۔ ابتداء میں آنے والے ترک آبادکاروں کی اکثریت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو چراہ گاہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں تاہم ان کے بعد آنے والے شہری زندگی کے خوگر دستکار، سرکاری ملازمین اور فوجی پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔

پانچ صدیوں پر محیط عثمانی اقتدار 1878ء میں جب اپنے اختتام کو پہنچا تو معلوم اعداد وشمار کے مطابق مسلمان بلغاریہ کی کل آبادی کا تقریباً نصف تھے۔ ان میں ترک نسل کے لوگوں کے ساتھ بڑی تعداد میں بلغاروی باشندے بھی شامل تھے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ سترھویں صدی کے اواخر میں اگرچہ جنوب مغربی بلغاریہ کے پہاڑی علاقے، رہوڈوپ کے 74 دیہات نے اسلام قبول کرلیا تھا تاہم تبدیلیٔ مذہب کا جو نقشہ ابھرتا ہے وہ صدیوں پر محیط آہستہ روی کے ساتھ تدریجی عمل ہے۔

خالص مذہبی محرکات سے قطع نظر جن مادی فوائد نے تبدیلیٔ مذہب کے عمل میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں مسلمانوں کے لیے ٹیکسوں کا نسبتاً کم تر بوجھ، سماجی اور اقتصادی معاملات میں ان کی سازگار قانونی پوزیشن، درویشوں کی قائم کردہ عوامی واصلاحی تنظیموں کی شکل میں مسلمانوں کے لیے سماجی اور تعلیمی فوائد کا منظم نظام اور معاشرے میں غالب عناصر کو حاصل ترقی کے فوائد شامل ہیں۔(4) یہ ترغیبات بالخصوص بوگوملز (Bogomils) کی طرح کے عیسائی فرقوں کے لیے بڑی کشش کا باعث تھیں جو غالب عیسائی گروہوں کے ظلم وستم کا شکار تھے۔

1877ء میں جب بلغاروی قومی تحریک زار روس کے تعاون سے بلغاریہ کو عثمانی سلطنت سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگئی تو پہلی بار ترکوں نے بلغاریہ سے اناطولیہ کی جانب نقلِ مکانی کی۔ 1883ء میں نقلِ مکانی کا یہ عمل اپنے پورے عروج پر تھا، جب ادرنہ میں مقیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرانسیسی قونصل نے اطلاع دی تھی کہ تین ماہ کی مدت میں دو لاکھ ترکوں نے بلغاریہ کی سرحد عبور کی جبکہ صوفیہ میں مقیم فرانسیسی قونصل کے مطابق اگلے سال یہ تعداد چھ لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔(5)

آزادی کے پہلے دس سال کے عرصے میں بلغاریہ میں ترکوں اور دیگر مسلمانوں کی حیثیت حکومت کی پالیسی کے مطابق تبدیل ہوتی رہی۔ الیگزینڈر سٹمبولسکی کی زرعی حکومت نے ترک اقلیت کے ساتھ رواداری اور قانونی تحفظ پر مبنی رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ اس دور میں نقلِ مکانی کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا۔ 1919ء کے ایک قانون میں "مذہب، تعلیم اور دیگر ثقافتی امور کے ساتھ ساتھ خاندانی زندگی کے تمام معاملات میں آزادی" فراہم کی گئی تھی۔ صوفیہ میں "مفتی اعظم" کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اسلام کی دینی تعلیم کے دو اعلیٰ اداروں کے علاوہ ترک اسکول تعمیر کیے گئے۔ طرح طرح کی ثقافتی تنظیمیں وجود میں آئیں جن کا ترکی کی تنظیموں کے ساتھ قریبی رابطہ تھا۔

> "اس دور میں زیادہ تر ترکوں اور دیگر بلغاروی مسلمانوں کی مجموعی صورت حال بہتر رہی۔ مسلمانوں کے تعلیمی، مذہبی اور ثقافتی اداروں کے انتظام میں حکومت کی طرف سے بہت کم مداخلت کی گئی اور ان میں انتظامی امور کا ڈھانچہ جو طویل عثمانی دور میں قائم ہوا تھا، بحالہ قائم رہا۔"(6)

تاہم 1923ء میں سٹمبولسکی حکومت کا تختہ الٹ دیے جانے کے بعد اور بالخصوص 1934ء میں جب فوجی جنتا نے اقتدار پر قبضہ کرلیا، ترک اسکول بند کردیے گئے، مذہبی اوقاف پر قبضہ کرلیا گیا، ترک زبان کے اخبارات پر پابندی لگادی گئی اور ترک دانشوروں کو ملک بدر کردیا گیا۔ 1940ء میں بلغاریہ نے رومانیہ کے علاقے جنوبی ڈروب روجا (Drobrudja) کو اپنی قلمرو میں شامل کیا جس سے بلغاریہ کی ترک مسلم آبادی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا مزید اضافہ ہوگیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اقتدار پر کمیونسٹ پارٹی کا قبضہ مضبوط ہونے کے بعد سے ترک اقلیت کی صورت حال مزید خراب ہوگئی۔ اگرچہ "دیمتروف آئین" میں جس کی منظوری 1947ء میں قومی اسمبلی نے دی تھی، آزادیٔ مذہب و ضمیر کی ضمانت دی گئی تھی۔ اور مئی 1971ء کے جدید آئین میں اس امر کا اعادہ کیا گیا ہے۔ تاہم عملاً آئین کی متعلقہ شقوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر انداز کیا جاتا رہا۔ 1949ء میں تمام قرآنی مدارس بند کر دیے گئے اور مذہب کی تدریس پر پابندی لگا دی گئی۔ بہت سی مساجد یا تو بند کر دی گئیں اور یا انہیں برباد ہونے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ ترک آبادی کے اسکولوں کو قومی تحویل میں لے کر ان میں مذہب مخالف اصولوں پر مبنی یکساں نصابِ تعلیم لاگو کر دیا گیا۔

اسلام کے خلاف سرگرم نظریاتی مخالفت 1950ء کے عشرے کے آخری سالوں میں شروع ہوئی۔ 1958ء میں کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے "ترک آبادی میں کام کا طریقۂ کار" تجویز کیا اور مختلف اسلامی مذہبی شعائر کے خلاف مہم چلانے کے لیے ترکوں میں گروپ تشکیل دیے گئے۔ اس مہم کی بنیاد مندرجہ ذیل "تاریخی دعووں" پر رکھی گئی کہ

1- اسلام ایک اجنبی مذہب ہے جو بلغاروی عوام پر طاقت کے بل پر مسلط کیا گیا۔

2- بلغاریہ کی تاریخ میں اسلام نے سماجی طور پر رجعت پسندانہ کردار ادا کیا ہے۔

3- غیر ملکی رجعت پسند عناصر (یعنی ترکی) نے بلغاریہ میں اسلام کو بورژوا نیشنلزم اور مذہبی جنونیت پروان چڑھانے کے لیے استعمال کیا ہے۔

4- اسلام، ترک اور دیگر مسلمانوں کے بلغاروی معاشرے سے مربوط ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ (7)

حکومت کے زیر انتظام ذرائع ابلاغ کے ذریعے چلنے والی مہم میں ان نکات کو پورے طور پر سمو لیا گیا۔ ختنے کی مذہبی رسم کو ظالمانہ رواج کے طور پر پیش کیا گیا اور جو لوگ معاشرے میں یہ فریضہ انجام دیتے تھے، انہیں سختی سے روک دیا گیا۔ رمضان کے روزوں کی یوں حوصلہ شکنی کی گئی کہ صحت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو روزے سے بیماری کے خلاف جسم کی قوتِ مدافعت کمزور ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے اقتصادی پیداوار پر منفی اثر پڑتا ہے (یعنی روزہ دار مزدور اپنی قوتِ کار کے مطابق مشقت نہیں کر سکتا۔) عید قربان کے موقع پر دُنبوں کی قربانی کو غیر صحت مندانہ اقدام (مختصر عرصے میں بہت زیادہ چربی دار گوشت کا استعمال) اور اقتصادی ضیاع (گوشت برآمد کر کے زرِ مبادلہ کمایا جانا چاہیے۔) قرار دیتے ہوئے اس پر نکتہ چینی کی گئی۔ خواتین کے روایتی لباس کو اس لیے تند و تیز تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ اس سے مردوں کے سامنے عورتوں کی محکوم حیثیت کا اظہار ہوتا ہے اور روایتی مسلم لباس پہن کر اسکولوں، دفتروں یا پارکوں میں جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

1958ء اور 1974ء کے درمیانی عرصے میں صوفیہ سے بہت سی تاریخی کتابیں شائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئیں، جن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ بلغاریہ میں ترک نسل کے مسلمانوں کا کوئی وجود نہیں۔ ان کتابوں میں اسلام کو ایک غیر ملکی مذہب ظاہر کیا گیا ہے جو عثمانی دورِ اقتدار میں بلغاروی عوام کی مرضی کے خلاف بزورِ بازو ان پر مسلط کیا گیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے جعلی دستاویزات تیار کی گئیں کہ بہت سے دیہات کو اسلام اور موت میں سے کسی ایک چیز کے انتخاب پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس طرح بلغاروی مسلمانوں پر زور دیا گیا کہ وہ ایسے مذہب سے لاتعلقی کا اظہار کریں جسے اختیار کرنے کے لیے ان کے آباء واجداد کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس قابلِ اعتراض تاریخی تجدیدِ فکر کی بنیاد پر حکومت بلغاریہ نے سرکاری طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ "بلغاریہ میں ترکوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔"

اسلام مخالف پروگرام کا سب سے حساس پہلو وہ تھا جس کے تحت ترکوں اور دیگر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ عربی طرز کے مسلمان نام چھوڑ کر سلاوی نام اختیار کریں۔ اس مہم کا آغاز 1971ء میں بلغاروی زبان بولنے والے پومک مسلمانوں سے کیا گیا۔ رہوڈوپ کے علاقے میں آباد ان مسلمانوں کو بلغاروی ناموں کے نئے شناختی کارڈ جاری کیے گئے۔ اس پر جب لوگوں نے مزاحمت کی تو ان پر بے پناہ جبر و تشدد روا رکھا گیا، کئی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، بہت سے جیلوں میں ڈال دیے گئے اور متعدد افراد ملک بدر کر دیے گئے۔

1984-85ء میں مذکورہ پالیسی کا اطلاق ترک اقلیت پر شروع کیا گیا تو پہلے جیسے ہی نتائج برآمد ہوئے۔ جب حکومتِ ترکی، ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیلسنکی واچ جیسی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بین الاقوامی رائے عامہ کی توجہ ان واقعات کی جانب مبذول کرائی تو بلغاروی انتظامیہ نے ترک نژاد علاقوں میں صحافیوں اور دیگر غیر ملکیوں کا داخلہ بند کر دیا۔ نام تبدیل کرنے کی مہم اس حد تک پہنچائی گئی کہ سرکاری رجسٹروں میں فوت شدہ لوگوں کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے۔

ژیوکوف انتظامیہ کے آخری عشرے میں مسلمانوں اور ترکوں کے خلاف مہم میں شدت آگئی۔ دکانوں اور ریستورانوں کو احکامات جاری کیے گئے کہ وہ ترکی زبان بولنے والے افراد، برقعہ پوش خواتین یا شلوار پہنے ہوئے مردوں کو کوئی چیز مہیا نہ کریں۔ مسلمانوں کے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر اس لیے ضبط کر لیے گئے کہ وہ ترکی زبان میں غیر ملکی نشریات نہ سن سکیں۔ ختنے پر پابندی کو زیادہ سختی کے ساتھ نافذ کیا گیا۔ یہ دریافت کرنے کے لیے کہ ختنے کی رسم کہیں خفیہ طور پر تو انجام نہیں پا رہی، محکمہ صحت کے حکام نے گھروں اور اسکولوں پر چھاپے مارنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع کردیے۔ قبروں پر نصب ایسے تمام کتبے توڑ پھوڑ دیے گئے جن پر عربی رسم الخط میں اسلامی تحریریں درج تھیں۔ اور مسلمانوں کو اسلامی طریقے کی بجائے "جدید" سوشلسٹ رسوم کے مطابق اپنے مُردے دفنانے پر آمادہ کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کی گئیں۔

1986ء میں انسانی حقوق کی ایک تنظیم "ہیلسنکی واچ" نے یہ محسوس کیا کہ بلغاریہ میں ترکوں اور دیگر مسلمانوں کے انسانی حقوق کے خلاف کیے گئے اقدامات بین الاقوامی توجہ کے مستحق ہیں اور ان پر مسلسل نظر رکھی جانی چاہیے۔ 1986ء میں اپنی پہلی رپورٹ میں تنظیم نے اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> "بدترین مظالم کا ارتکاب دسمبر 1984ء اور مارچ 1985ء کی درمیانی مدت میں کیا گیا جب ترک اور مسلم ناموں کو بوقتِ ضرورت طاقت کے ذریعے سلاوی اور عیسائی ناموں میں تبدیل کرنے کی سرکاری مہم کے دوران میں کئی سو ترک ہلاک کردیے گئے اور سرسری سماعت کے بعد انہیں سزائیں سنائی گئیں۔ اس مہم کے دوران میں بلغاروی اور بین الاقوامی قانون کے تحت ایک مسلّمہ انسانی حق کی خلاف ورزی کی گئی۔ اس وقت سے بلغاریہ کا سرکاری موقف یہ رہا ہے کہ "بلغاریہ میں کوئی ترک نہیں ہیں"۔ اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے بلغاروی حکام ملک میں ترک نسل کا جداگانہ تشخص مٹانے کے لیے مسلسل مہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔"(8)

نام تبدیل کرنے کی سرکاری مہم اور نسلی انضمام کی دوسری کوششوں کے خلاف 1988ء میں ترکوں اور دیگر مسلم اقلیتوں نے بڑے پیمانے پر احتجاج کیا، جس کا نتیجہ اموات، گرفتاریوں اور قید و بند کی صورت میں برآمد ہوا۔ 1989ء میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی سالانہ رپورٹ میں اس شکایت کے ساتھ، کہ بلغاروی حکومت کی سخت سنسر شپ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے دستاویزی ثبوت اکھٹے کرنے میں سدِراہ ہے، 250 ترک نسل کے افراد کے جیلوں میں پڑے ہونے پر تشویش کا اظہار کیا۔ یہ لوگ دسمبر 1984ء اور مارچ 1985ء کے درمیان گرفتار ہوئے تھے۔

> "1984ء میں ترک اقلیت کے جبری انضمام کے خلاف مہم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلسلے میں بہت سے ترک نژاد افراد قید میں ہیں یا امتناعی قوانین کے تحت نظر بند چلے آ رہے ہیں۔ ان میں وہ ترک نژاد اور بلغاروی بھی شامل ہیں جو مذہب پر عمل کی آزادی کے لیے اپنے حق کو پرامن طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔"(9)

اختلاف رائے کو دبانے کے لیے ژیوکوف انتظامیہ کی جابرانہ پالیسی کے باوجود بالاخر غیر مسلم بلغاروی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف احتجاج کے لیے منظم ہونے لگے۔ 1988ء میں ایک غیر سرکاری تنظیم "بلغاریہ میں انسانی حقوق کے دفاع کی ایسوسی ایشن" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے اکثر رہنماؤں پر "ریاست مخالف ایجی ٹیشن اور پراپیگنڈے" کے الزام میں مقدمات چلائے گئے اور انہیں سزائیں دی گئیں یا انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اکتوبر 1988ء میں تنظیم کے ترجمان نے ترک اقلیت کی صورت حال کے بارے میں بتایا:

"ترک نسل کے بلغاروی شہری نہ صرف اپنے آپ کو ترک کہلانے کے حق اور خاندانی ناموں سے محروم کر دیے گئے ہیں بلکہ انہیں اپنی مادری زبان استعمال کرنے یا اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے پر سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مزید برآں بعض بڑے شہروں میں مساجد بند کر دی گئی ہیں یا انہیں تباہ کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ قبرستان بھی اجاڑ دیے گئے ہیں۔ سینکڑوں ترک نژاد افراد ابھی تک جیل خانوں میں قید ہیں اور بہت سے لوگوں کو مقررہ جگہوں پر رہائش رکھنے کا پابند بنا دیا گیا ہے۔"(10)

1987ء کے آغاز تک احتجاج کرنے والے ترکوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا جو ترکی کے لیے نقلِ مکانی کی اجازت حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ضابطے کے مطابق انہیں اجازت نامے جاری کرنے سے مسلسل انکار کیا جاتا رہا۔ 1987ء میں ہیلسنکی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

"1984ء سے ترکوں کے لیے بلغاریہ سے نکلنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ وہ پُرخطر اور دشوار گزار راستوں سے ترکی میں داخل ہوں۔ بہت سے پناہ گزین جو بلغاریہ سے ترکی میں داخل ہوئے، وہ ہمسایہ ممالک رومانیہ اور یونان کے راستے یہاں پہنچنے میں کامیاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ ترکی اور بلغاریہ کی سرحد عبور کرتے ہوئے بچ جانا دیوارِ برلن عبور کرنے سے کم خطرناک نہ تھا۔ ہیلسنکی کمیٹی نے جن پناہ گزینوں سے بات کی، ان کی اکثریت نے بتایا کہ وہ تعصب اور تشدّد کی وجہ سے فرار ہونے پر مجبور ہوئے اور ان سب کے بیوی بچے یا والدین ابھی تک بلغاریہ ہی میں ہیں۔(11)"

حکومت کی اسلام مخالف پالیسیوں کے خلاف ترکوں کی ناپسندیدگی کا اظہار 1989ء میں وسیع پیمانے پر مظاہروں کی صورت میں ہوا۔ بلغاریہ کی ترک آبادی کے تقریباً تمام علاقے ان کی لپیٹ میں آ گئے۔ مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ ان کے اصل نام بحال کیے جائیں اور ان کے انضمام کی مہم ختم کی جائے۔ متعدّد شہروں میں اجتماعات کے خلاف ٹینک، پولیس کے کتے اور آنسو گیس استعمال کی گئی۔ پُرامن مظاہرین پر فوجیوں نے گولی چلائی (12) جس سے موقع پر 60 افراد جاں بحق ہو گئے۔

ژیوکوف حکومت نے عوامی احتجاج کے جواب میں 23 مئی 1989ء سے بڑی تعداد میں مظاہرین کو بے دخل کرنا شروع کیا جو آسٹریا یا یوگوسلاویہ ہوتے ہوئے ترکی جا سکتے تھے۔ پاسپورٹ اور شہریت کے قوانین میں چند فوری ترامیم کے بعد صدر ژیوکوف نے 29 مئی کو اعلان کیا کہ بلغاروی "سیاح" ترکی جانے کے لیے ملک چھوڑنے کا اجازت نامہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے اگلے روز ترکی نے بلغاروی ترکوں اور دیگر مسلمانوں کے لیے ویزے کی شرط ختم کر دی۔ اس طرح وسیع پیمانے پر خروج کا آغاز ہو گیا۔

مسلم اقلیت میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اور جس ہلچل کا آغاز بے دخلی سے ہوا تھا وہ نقلِ مکانی میں ڈھل گئی۔ ملک چھوڑنے والوں کو نہ صرف اپنے گھر، ملازمتیں اور مال واسباب چھوڑنا پڑا بلکہ اسی کے ساتھ ان کے خاندان بھی تقسیم ہو گئے۔ اکثر اوقات پورے کنبوں کو ملک چھوڑنے کی اجازت مل گئی تاہم فوجی بھرتی کی عمر کے نوجوانوں کو وہاں رہنے پر مجبور کیا گیا۔ زیادہ تر پناہ گزین زمینی راستوں سے براہ راست ترکی میں داخل ہوئے جبکہ دوسروں کو بذریعہ ہوائی جہاز بلغراد یا بوڈاپسٹ بھجوا دیا گیا اور وہ وہاں سے ترکی پہنچنے میں کامیاب ہو سکے "Der Standard" میں الریک ردبرگ نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے:

"نیوم ایکس جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ بلغاریہ سے ترکی پہنچا، بتاتا ہے رات کے ساڑھے دس بجے ہمیں اطلاع ملی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے پاسپورٹ تیار ہیں اور ہمیں اگلے روز تین بجے سہ پہر روانہ ہونا ہے۔ سامان کی حد زیادہ سے زیادہ 40 کلوگرام فی شخص تھی۔ نیوم ایکس دوسرے ہم قسمت افراد کے ہمراہ بلغراد کے ترک سفارت خانے میں ترکی بھیجے جانے کا انتظار کر رہا ہے۔ کوئی شخص بھی اپنا نام بتانے کو تیار نہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کے پیچھے خاندان کے باقی افراد کو انتقام کا نشانہ بنایا جائے گا۔"(13)

1989ء میں جون اور اگست کے درمیانی عرصے میں تین لاکھ دس ہزار افراد رضاکارانہ یا مجبوراً ترکی پہنچے۔ 22 اگست کو یہ دیکھتے ہوئے کہ نقلِ مکانی کرنے والوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آرہی، ترکی نے اپنی سرحدیں بند کر دیں اور نقلِ مکانی کو دونوں ملکوں کے درمیان ایک جامع سمجھوتے کے ساتھ مشروط کر دیا۔ تاہم نئے فیصلے میں خاندانوں کی یکجائی کے لیے نقلِ مکانی کی گنجائش رکھی گئی۔ وزارت خارجہ کی جانب سے 21 اگست کو جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں حکومت ترکی کے فیصلے کے یہ اسباب بیان کیے گئے ہیں:

"یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بلغاروی حکومت کے پیش نظر اپنے شہریوں کو بیرون ملک سفر کرنے کی اجازت دینے سے کہیں زیادہ ترک اقلیت کو اپنے ملک سے نکال کر مسئلے کو ایک بڑا اقدام کر کے حل کرنا ہے۔ بلغاروی حکومت سمجھتی ہے کہ نقلِ مکانی اس کی شرائط کے مطابق عمل میں آرہی ہے اور پیچھے رہ جانے والے ترکوں کو عام آبادی میں ضم کر لینا آسان ہوگا۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کا غماض ہے کہ بلغاروی حکومت اس انسانی مسئلے کے حل کے لیے، جو خود اس کا پیدا کردہ ہے، اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ بلغاروی پاسپورٹ قوانین میں ترمیم کر کے اور ترکی کی نیک خواہشات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ترک آبادی کے مسئلے سے جان چھڑا لینا چاہتی ہے۔"(14)

جوں ہی بلغاروی مسلمانوں نے ترکی میں داخلے کے اجازت ناموں کے لیے ترک سفارت خانے اور قونصل خانوں کا رخ کیا تو پناہ گزینوں کا بے ہنگم سیلاب ایک دھار کی شکل اختیار کر گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستمبر کے اواخر میں "گارڈین" نے لکھا:

"صوفیہ میں واقع ترک سفارت خانے اور ملک کے دوسرے حصوں میں ترک قونصل خانوں کے باہر ابھی تک ہر روز طویل قطاریں لگتی ہیں۔ صوفیہ میں ترک ڈپلومیٹ بتاتے ہیں کہ سفارت خانے کے باہر روزانہ دو ہزار تک افراد انتظار کرتے ہیں ان میں سے تقریباً 8 سو کا انٹرویو لیاجاتا ہے اور صرف "چند افراد" کو اجازت نامہ ملتا ہے۔ ترکی میں داخلے کے اجازت ناموں کی ویٹنگ لسٹ پہلے ہی جون 1990ء تک جا پہنچی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت 25 ہزار متوقع تارکین وطن بلغاریہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنے گھربار اور دیگر املاک فروخت کر چکے ہیں۔"(15)

اس موقع پر بلغاروی کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں ڈرامائی تبدیلیوں سے یہ امید پیدا ہو چلی ہے کہ بلغاریہ میں بھی مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک کی طرح جمہوریت کی طرف تیز رفتار پیش قدمی ہوگی۔ بلغاروی وزیرخارجہ پیٹر ملاڈینوف نے صوفیہ میں 35 ملکوں کی ماحولیاتی کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے کانفرنس میں آزاد بلغاروی گروپ "اقتصادی کشادگی" کو شمولیت کی اجازت دی ہے۔

ژیوکوف دورِ حکومت میں جب "اقتصادی کشادگی" کے ارکان نے ایک عام پارک میں مظاہرے کا اہتمام کیا تو انہیں خوف زدہ کرنے اور گرفتار کرنے کے لیے خفیہ پولیس استعمال کی گئی جس پر نہ صرف رائے عامہ ژیوکوف کے خلاف ہوئی بلکہ اس کی اپنی پارٹی کے نسبتاً زیادہ آزاد ارکان بشمول ملاڈینوف برہم ہوگئے تھے۔ جناب ملاڈینوف نے اپنا استعفاء پیش کردیا جو کبھی منظور نہیں کیا گیا۔ 9 نومبر کو ملاڈینوف نے وزیردفاع اور پولٹ بیورو کی اکثریت کے تعاون سے صوفیہ میں سفارتی حلقوں کے دعوے کے مطابق ماسکو کے ایک خفیہ دورے کے بعد ژیوکوف کو بدعنوانی اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزام میں برطرف کرنے کا اعلان کیا۔

نئی حکومت نے یہ واضح کرنے میں دیر نہیں لگائی کہ انضمام کی پالیسی ژیوکوف کا ذاتی منصوبہ تھا جس کی پارٹی قیادت کے دوسرے شعبوں نے مخالفت کی تھی۔ مسلم اقلیتوں کے سوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کویت میں بلغاریہ اور ترکی کے وزرائے خارجہ کے درمیان نومبر کے آخر میں ہونے والی ملاقات بلغاریہ کی درخواست پر جنوری 1990ء کے لیے ملتوی کردی گئی۔ ترکی، جس نے ژیوکوف انتظامیہ کی انضمامی پالیسیوں کی پُرزور طریقے سے مذمت کی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں اس نے اپنے ہمسائے کے خلاف کھلے عام تنقید بند کردی اور "تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو" کی پالیسی اپنالی۔

نومبر 1989ء میں جمہوریت کے حق میں ہونے والے مظاہروں میں، جن کے نتیجے میں بلغاریہ میں اقتدار میں تبدیلی آئی، مسلمان زیادہ نمایاں نہ تھے کیوں کہ وہ اس وقت نقلِ مکانی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ ان مظاہروں میں ترکوں کے خلاف ژیوکوف انتظامیہ کی سخت پالیسیوں کو ختم کرنے کے حق میں نعرے لگائے گئے تاہم کچھ مظاہرین نے ان نعروں کو پسند نہ کیا۔

جمہوریت اور انسانی حقوق کے لیے بلغاروی عوام کے مظاہروں میں شرکت نہ کرنے پر بین الاقوامی اسلامی حلقوں نے بلغاروی ترکوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لندن میں قائم مسلم اقلیتی امور کے معتبر ادارے Institute of Muslim Minority Affairs (انسٹی ٹیوٹ برائے مطالعہ مسلم اقلیتی امور) نے دسمبر 1989ء کے وسط میں ایک مظاہرے کا حوالہ دیا ہے، جس میں ہزاروں بلغاروی ترکوں نے شرکت کی اور انضمام کی پالیسی کے خاتمے کا مطالبہ کیا تاہم اس ادارے کے ڈائریکٹر کو یہ احساس تھا کہ یہ کاروائی "بہت تھوڑی اور بہت تاخیر" سے کی گئی تھی۔

> "سڑکوں پر آنے کا موزوں وقت اکتوبر اور نومبر میں تھا، جب بلغاروی شہری اور ان کے ہم وطن جمہوریت، آزادی اور شہری حقوق کا مطالبہ کررہے تھے سیاسی اور نفسیاتی ہر دو لحاظ سے یہی موزوں وقت تھا کہ قومی جمہوری جدوجہد کے ساتھ اپنا تشخص اجاگر کیاجاتا... اس طریقے سے ترک ایک قابلِ احترام مقام اور اپنی قوم اور اس کی امنگوں کے ساتھ شناخت حاصل کرلیتے۔ قومی امنگوں کے پورا ہونے کے بعد ہی وقت آتا کہ گروہی یا نسلی ضمانتوں کا مطالبہ کیاجاتا۔"(16)

اس دوران میں تارکینِ وطن کی ایک بڑی تعداد پر آشکار ہوا کہ ترکی میں ان کا معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستقبل نہایت محدود ہے، نیز ژیوکوف کی برطرفی سے ہمت پاتے ہوئے وہ دوبارہ بلغاریہ واپس آنے لگے۔ بلغاریہ اور ترکی دونوں پر واضح ہونے لگا کہ پوری اقلیتی آبادی کی نقلِ مکانی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ ترکی پریس نے اپنی حکومت پر دبے لفظوں میں تنقید کی ہے کہ اس نے اپنی قوت سے بڑھ کر بوجھ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ پریس کی رائے میں بلغاریہ کی اقلیتوں کے مسائل کا حل "بلغاروی" ہی ہونا چاہیے۔ 28 دسمبر کو ایک ترک صحافی رحمی گندوس نے لکھا:

> "بلغاریہ سے دھکیلے گئے 150 ترکوں کا پہلا گروہ جب 26 مئی کو استنبول پہنچا تو کسی کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ ان کی تعداد 3 لاکھ 10 ہزار تک پہنچ جائے گی اور یہ کہ ان میں سے 80 ہزار ترکی میں خراب معاشی حالات اور خاندانوں کی تقسیم کے باعث واپس لوٹ جائیں گے۔ ترکی کے سابق وزیراعظم ترگت اوزال نے بلغاروی سربراہ ٹوڈر ژیوکوف کی دھونس کے جواب میں جب یہ اعلان کیا کہ ترکی بلغاریہ کے سارے 15 لاکھ ترکوں کو لینے کے لیے تیار ہے تو ترکی کی معاشی مشکلات ان کے ذہن میں نہیں تھیں۔"(17)

29 دسمبر کو بلغاریہ کی ریاستی کونسل اور وزراء کی کونسل نے اپنے ایک مشترکہ اجلاس میں بلغاریہ میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر پابندی اور انہیں نئے نام رکھنے پر مجبور کرنے کی پالیسی کو منسوخ کرنے کا تاریخی اعلان کیا:

> "یہ اقدامات ... بلغاروی آئین میں مذکور شہریوں کی مساوی حیثیت کی سنگین خلاف ورزی ہیں، بلغاروی عوام کی جمہوری روایات کے منافی ہیں اور بلغاریہ کی طرف سے کیے گئے بین الاقوامی انسانی حقوق کے تحفظ کے وعدوں کے بھی سراسر خلاف ہیں۔ چنانچہ ایسی سنگین خلاف ورزیوں اور ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ریاستی کونسل اور وزراء کی کونسل نے ایک قرارداد منظور کی، جس میں ان تمام اقدامات کی مذمت کی گئی، جن سے ناموں کے آزادانہ چناؤ، آزادیٔ مذہب، بلغاروی زبان کو سرکاری زبان مانتے اور استعمال کرتے ہوئے روزمرہ کی بول چال کے لیے دیگر زبانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے استعمال اور رسم ورواج پر عمل درآمد کا حق محدود ہو کر رہ گیا۔"(18)

مذکورہ فیصلے کے تحت، جس کے موثر ہونے کے لیے ابھی قومی اسمبلی سے منظوری لینا باقی ہے، ذمہ دار ریاستی حکام کو حکم دیا گیا کہ وہ ماضی کی خرابیوں کو درست کریں اور قومیت، آباء واجداد، عقیدہ، جنس ونسل، مذہب، تعلیم یا سماجی اور مادی حیثیت سے قطع نظر تمام بلغارویوں کے حقوق کی ضمانت مہیا کریں۔ یہ بھی تجویز کیا گیا کہ قومی اسمبلی ناموں کی تبدیلی سے متعلق سیاسی جرائم میں سزا یافتہ تمام افراد کو عام معافی دے دے۔

1990ء کے آغاز کے ساتھ واقعات نے اُس وقت ایک نیا رخ لیا جب جنوبی بلغاریہ کے مسلم اکثریت کے علاقے کردالی سے اندازاً ایک ہزار افراد پالیسی میں نئی تبدیلی کے خلاف احتجاج کے لیے دارالحکومت پہنچے۔ وہ ترکوں کے مسئلے پر ریفرنڈم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، جن پر لکھا تھا "کیا تم بلغاریہ کو ترکوں کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہو؟"(19) یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ مظاہرے جو تعداد کے لحاظ سے چھوٹے تھے اور ان کے خلاف مظاہرے کرنے والے "جمہوریت، جمہوریت" الاپ رہے تھے، ژیوکوف کے انضمامی پروگرام کے حق میں غیر مسلموں کی وسیع تر حمایت کا مظہر ہو سکتے ہیں۔

"انسٹی ٹیوٹ برائے مسلم اقلیتی امور" کے خیال میں مسلمانوں کی موجودہ صورت حال ژیوکوف حکومت کے مقابلے میں کہیں زیادہ سنگین ہے۔ سابقہ انتظامیہ میں تنازعہ ایک غیر نمائندہ کمیونسٹ حکومت اور مسلم اقلیت کے درمیان تھا اور عام بلغارویوں نے مسلمانوں کے لیے کسی کھلی عداوت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اب حکومت مسلم اقلیت کا دفاع کرنے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہے جبکہ آبادی کا ایک غیر متعین طبقہ اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ تاہم انسٹی ٹیوٹ کو نئی صورت حال میں بعض مثبت پہلو بھی دکھائی دیتے ہیں:

"اس سے پہلے مسلم اقلیت نہایت خاموشی سے مصائب برداشت کر رہی تھی، اس کی بے بسی سے بیرون ملک اس کے ہم مذہبوں پر دباؤ پڑتا تھا کہ وہ مسلم اقلیت کے لیے آواز بلند کریں۔ اب صورت حال میں مثبت تبدیلی یہ آئی ہے کہ یہاں کے مسلمان اپنے دفاع کے لیے خود کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ ملاڈینوف حکومت کے شروع کردہ جمہوری عمل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اپنے حقوق کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احتجاج کر سکتے ہیں۔"

یہ مشورہ دانش مندانہ دکھائی دیتا ہے۔ تادمِ تحریر یہ واضح نہیں کہ واقعات کیا رخ اختیار کریں گے۔ امید رکھنی چاہیے کہ جدید بلغاروی حکومت نے ابتداً قوم کے لیے مذہبی اور نسلی رنگا رنگی اور رواداری کی جو پالیسیاں طے کی ہیں، ان پر کاربند رہے گی۔ یہ امید بھی رہنی چاہیے کہ ملک کی غیر مسلم اکثریت سابقہ بدنام انتظامیہ کی انضمامی پالیسیوں کے خاتمے کا مطالبہ کرے گی اور اس کے ساتھ جمہوریت نواز نئی حکومت کے اختیار کردہ طرز عمل کی پیروی کرے گی۔ جہاں تک مسلم اقلیتوں کا تعلق ہے، ان سے توقع کرنی چاہیے کہ وہ ہمسایہ ملک ترکی یا بین الاقوامی اسلامی تنظیموں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے اکثریتی ہم وطنوں کے جذبۂ خیر سگالی پر زیادہ بھروسہ کریں گی۔ اور اپنے جائز انسانی اور شہری حقوق کے تحفظ کے لیے ان کے ساتھ مل کر کام کریں گی۔

حواشی

1- ہیلسنکی واچ رپورٹ Destroying Ethnic Identity: The Turks of Bulgaria (نیویارک: جون 1986ء) کے مطابق ترکوں کی آبادی کا "قابل اعتماد اندازہ" نولاکھ کا ہے۔ بلال سمسر کی کتاب The Turks of Bulgaria: 1878-1985 (لندن: 1988ء) ترک آبادی دس لاکھ اور کل مسلم آبادی پندرہ لاکھ بتاتی ہے۔ بلغاروی حکومت کی سرکاری مردم شماری کی رپورٹوں میں 1956ء کے بعد ترک اور مسلم آبادی کے اعداد و شمار الگ سے نہیں دیے جا رہے۔

2- علی امینوف The State of Islam and Muslims in Bulgaria، جرنل آف دی مسلم مائنارٹی افیرز، جلد 8، شمارہ 2 (1987ء)، ص 280

3- یاسر یوسل کا مقالہ The Turkish presence in Bulgaria (انقرہ: 1988ء) میں، ص 17

4- سیبروز ویرونس کا مقالہ مشمولہ Aspects of the Balkans (پیرس: 1972ء)، ص 168-167

5- بلال سمسر کا مقالہ مشمولہ The Turkish Presence in Bulgaria (انقرہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

1988ء)، ص 44

6- علی امینوف، حوالہ مذکورہ

7- علی علینوف منقولہ از علی امینوف، حوالہ مذکورہ

8- ہیلسنکی واچ رپورٹ، Destgroying Ethnic Identity : An Update (نیویارک: ستمبر 1987ء)، ص 1

9- ایمنسٹی انٹرنیشنل، رپورٹ 1989ء (لندن)، ص 213

10- ایضاً، Bulgaria: Imprisnment of Ethnic Turks and Humn Rights Activists (لندن: فروری 1989ء)، ص 2

11- ہیلسنکی کمیٹی، The Repression of the Turkish and Islamic Minority in Bulgaria (اوسلو: جنوری 1987ء)

12- ایمنسٹی انٹرنیشنل Ethnic Turk Protests in Bulgaria (لندن: 22 جون 1989ء)

13- Der Standard (وائنا)، 12 جون 1989ء

14- News pot Turkish Digest (انقرہ: 24 اگست 1989ء)، ص 7

15- The Guardian (لندن)، 27 ستمبر 1989ء

16- سیدزین العابدین A Statement on the Current Situation of Turkish Muslim in Bulgaria (لندن: انسٹی ٹیوٹ آف مسلم مائنارٹی افیئرز)، 21 دسمبر 1989ء

17- رحمی گندوز، Turkish Daily News، 28 دسمبر 1989ء، ص 3

18- L' O sservatore Romno، 4 جنوری 1990ء

19- سید زین العابدین، A Statement on the Current Situation of Turkish Muslim in Bulgaria (لندن)، 8 جنوری 1990ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[نومبر 1989ء میں عوامی احتجاج کے نتیجے میں ٹوڈر ژیوکوف انتظامیہ کے خاتمے پر جناب ملاڈینوف برسراقتدار آئے تو "بلغارین کمیونسٹ پارٹی" کو "بلغارین سوشلسٹ پارٹی" کا نام دے دیا گیا۔ پارٹی کے ارباب حل وعقد نظریاتی اعتبار سے بٹے ہوئے تھے۔ آزاد خیال، اصلاح پسند اور متشدد کمیونسٹ سب ہی "بلغارین سوشلسٹ پارٹی" کی چھتری تلے تھے۔ جناب ملاڈینوف کا شمار نسبتاً سخت گیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ دسمبر 1989ء کے ایک مظاہرے کو منتشر کرنے کے لیے انہوں نے قوت استعمال کرنے کا ارادہ کیا مگر اپنے ہی ساتھیوں کی تائید نہ ملنے پر اقدام نہ کرسکے تھے۔

17 جون 1990ء کو بلغاریہ کی تاریخ میں چالیس سال میں پہلے آزادانہ انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں برسراقتدار سوشلسٹ پارٹی کے علاوہ دوسری جماعتوں نے حصہ لیا۔ کمیونسٹ مخالف جماعتوں میں سب سے نمایاں "یونین آف ڈیموکریٹک فورسز" (یو۔ڈی۔ایف) تھی جو حقیقتاً تیرہ غیر کمیونسٹ جماعتوں کا اتحاد ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی جماعت "موومنٹ فار دی رائٹس اینڈ فریڈمم" (تحریک برائے حقوق وآزادی) نے بھی انتخابات میں حصہ لیا۔ "تحریک برائے حقوق وآزادی" کی قیادت ایک نوجوان ماہر تعلیم اور سابق سیاسی قیدی احمد ڈوگان کے ہاتھ میں ہے۔

انتخابات میں بلغارین سوشلسٹ پارٹی نے چارسو میں سے 211 نشستیں حاصل کیں اور سب سے بڑی جماعت کی حیثیت سے ابھری۔ مسلمانوں کی جماعت "تحریک برائے حقوق وآزادی" 23 نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ جن علاقوں میں مسلمان آبادی کا کوئی امیدوار نہیں تھا وہاں مسلمان ووٹروں نے "یونین آف ڈیموکریٹک فورسز" کے حق میں اپنی قوت استعمال کی۔

اگرچہ بلغارین سوشلسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر ژیوکوف کے کئی ایک قریبی ساتھی قومی اسمبلی میں پہنچ گئے لیکن جارجی دیمتروف کی میت کو جو 1949ء میں اس کی موت سے جون 1990ء تک دیدار عام کے لیے محفوظ پڑی تھی، جلاد لیے جانے سے نہ روک سکے۔ یہ واقعہ اس بات کا اشارہ تھا کہ بلغارین سوشلسٹ پارٹی باہم منتشر ہے اور جولائی 1990ء میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی جب پیٹر ملاڈینوف کو دباؤ کے تحت صدارت سے الگ ہونا پڑا۔ ملاڈینوف کے علیحدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوجانے پر قومی اسمبلی میں ایسی فضا پیدا ہوچلی تھی کہ صدارت کے لیے کسی "غیر سوشلسٹ" کو چنا جائے لیکن اگست کے آغاز میں اکثریتی "بلغارین سوشلسٹ پارٹی" اپنی مرضی کے کسی غیر سوشلسٹ کو بھی چننے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یکے بعد دیگرے پانچ بار رائے شماری ہوئی مگر کوئی امیدوار حاضر ارکان اسمبلی کے دو تہائی ووٹ حاصل نہ کرسکا۔ بالآخر یونین آف ڈیموکریٹک فورسز کے رہنما ژیلیوژیولیف 105 کے مقابلے میں 284 ووٹوں سے صدر منتخب ہوگئے۔

ژیولیف کی کامیابی کا ایک سبب تو یہ ہے کہ جب "بلغارین سوشلسٹ پارٹی" توڑ پھوڑ کا شکار تھی تو وہ اپنے اتحاد (پارٹی) کو متحد رکھنے میں کامیاب رہے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ انھیں سوشلسٹ پارٹی کے معتدل اور اصلاح پسندوں کی تائید حاصل ہوگئی۔ تیسرا سبب "تحریک برائے حقوق وآزادی" کے ٹھوس ووٹ تھے۔

"تحریک برائے حقوق وآزادی" نئے دور میں مطمئن ہے کہ چالیس سال کی پابندی کے بعد اب مساجد سے اذان پھر سنائی دینے لگی ہے۔ ترکی زبان میں ایک اخبار نے اشاعت کا آغاز کردیا ہے۔ تجرباتی طور پر بعض حکومتی مدارس میں ترکی زبان سکھانے کا بندوبست کیا جارہا ہے۔ اور ایک اسلامی انسٹی ٹیوٹ کا آغاز ہوچکا ہے۔ تاہم "تحریک برائے حقوق وآزادی" اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ سلاوی قوم پرستی ان کے کیے پر پانی پھیر سکتی ہے۔ یہ خدشہ اس لیے ہے کہ جب قومی اسمبلی کے ایک ترک مسلم رکن کا تعارف ان کے سلاوی نام کے بجائے ان کے اصل ترک نام سے کرایا گیا تو بلغاروی قوم پرستوں نے ناراضگی کے اظہار کے لیے عام ہڑتال کردی اور یہ ہڑتال اس وقت ختم ہوئی جب قومی اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں نسلی گروہوں کے اثر ونفوذ کا جائزہ لینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ قوم پرستوں نے یہ مطالبہ شروع کررکھا ہے کہ ترکی زبان کے کھلے عام بولنے پر پابندی عائد کی جائے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں سلاوی قومی ثقافت ماند پڑجائے گی۔

ترک مسلمانوں کے خلاف بداعتمادی کی جڑیں بہت گہری ہیں اور "تحریک برائے حقوق وآزادی" کی ہر پیش قدمی غصے سے بھرے ہوئے بلغاروی قوم پرستوں کو احتجاج کے لیے سڑکوں پر لے آتی ہے تاہم ہر دفعہ احتجاج کرنے والوں کی تعداد پہلے کے مقابلے میں خاصی کم ہوتی ہے۔ اور اعتدال پسند بلغاروی قوم پرستوں کے اس تجزیے سے اتفاق نہیں کرتے کہ بلغاروی ترک مسلم بلغاریہ میں خلافت عثمانیہ کے احیاء کے لیے کوشاں ہیں۔ (ادارہ)]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com